دفاع حدیث کالم

ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی
شارح ترمذی ابن ماجہ وشمائل ترمذی

قادری صاحب کے دورہ صحیح مسلم پر ایک نظر

ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے برمنگھم (U.K) میں صحیح بخاری کے دورہ کی طرح صحیح مسلم کا بھی دورہ کرایا ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے اس دورہ کا مقصد یوں بیان فرمایا ہے:

''اس دورہ کے دوران اصول حدیث کی وہ ضروری بحثیں جن کی آج کے دور میں سخت ضرورت ہے' نیز عقائد اور احکام فقہ زیر بحث آئیں گے۔''

پھر اپنے اس دورے کا آغاز فقہ حنفی کا تفوق ثابت کرنے سے کیا اور اس ضمن میں بڑی پُرلطف' حیرت انگیز اور تاریخ ساز باتیں ذکر کی ہیں۔ ہم ان کی ایسی باتوں کا اپنے اس مقالہ میں جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

لوگ فقہ کے محتاج ہیں......

موصوف نے اپنے دورے کا آغاز اس جملہ سے کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ (کل آئمہ ان کے عیال) ہوئے۔ ان کے دستر خوان علم الفقہ سے ہر کوئی فیض لیتا رہا۔ (منہاج۔ ۶ مئی: ۲۰۰۸ ص: ۲۷)

دراصل موصوف نے اس میں اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی احناف نسبت عام طور پر امام شافعی کی طرف کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''**الناس کلهم عیال علیه فی الفقه**'' (تاریخ بغداد ص: ۳۴۶' ج: ۱۳) ''تمام لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔''

اس قول کی صحت......؟

امام شافعی کا یہ قول امام خطیب بغدادی نے اپنی سند سے تاریخ میں ذکر کیا ہے۔ ''اس کی سند میں احمد الصلت الحمانی ہے جو ہالک اور وضاع ہے۔ بڑا بے حیاء کذاب حدیث وضع کرتا تھا۔'' (لسان' ص:۱۸۸، ۲۷۰' ج:۱)

امام شافعی کا موقف......

امام شافعی سے قطعاً فقہ حنفی کی تحسین مروی نہیں' بلکہ انہوں نے تو کھل کھلا کر اس فقہ کی مخالفت کی ہے۔ جیسا کہ کتاب الام کے عمومی مطالعہ اور کتاب ردالاستحسان اور کتاب الرد علی محمد بن الحسن کے خصوصی مطالعہ سے واضح ہوتا ہے اور اس مخالفت پر شوافع اور احناف دونوں گروہوں کی کتب شاہد عدل ہیں' بلکہ امام شافعی تو امام صاحب کے قیاس کو درست تسلیم نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ ان کا امام محمد بن حسن سے اس بارہ میں مناظرہ ہوا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے:

امام شافعی نے امام محمد سے پوچھا: ''انصاف سے بتاؤ امام مالک قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کے زیادہ عالم ہیں یا امام ابوحنیفہ؟ تو امام محمد نے فرمایا ''امام مالک۔'' امام شافعی نے فرمایا ''اب صرف قیاس باقی ہے صحیح قیاس بھی تو قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کے اصولوں پر ہوتا ہے۔'' جس پر امام محمد خاموش ہو گئے۔ (کتاب الجرح والتعدیل' ص:۴' ج:۱۔ تفصیل: داستان حنفیہ' ص:۱۶۴ میں ملاحظہ ہو)

اس مناظرہ سے بالکل واضح ہے کہ امام شافعی امام صاحب کے قیاس کو درست تسلیم نہیں کرتے تھے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جسے وہ درست تسلیم نہ کریں تو پھر بھی اس کے بارہ میں فرمائیں کہ تمام لوگ اس فقہ کے محتاج ہیں۔

ثانیاً: امام شافعی کا شمار ان ائمہ عظام میں سے ہے جنہوں نے امام ابوحنیفہ پر جرح کی ہے۔ (مسئلہ الاحتجاج بالشافعی) جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کی تحسین میں یہ قول اسی حمانی کذاب کا ہے۔ امام شافعی اس سے بری الذمہ ہیں۔

فقہ حنفی کے ماخذ......

موصوف فرماتے ہیں فقہ حنفی پر بہت بڑا الزام لگایا جاتا ہے کہ فقہ حنفی کی بنیاد جن احادیث پر قائم کی گئی ہے' صحیح بخاری و مسلم اور صحاح ستہ میں ان کا وجود ہی نہیں۔ یہ احادیث کی نچلی درجہ کی کتب اور نچلے درجے کے طبقات سے ثابت ہیں۔(ایضاً)

حقیقت سے اغماض ممکن نہیں اور یہ بات بالکل درست ہے کہ اہل الرائے کے وہ مسائل جن میں انہوں نے محدثین سے اختلاف کیا ہے' ان مسائل کے دلائل صحیحین اور دیگر معتبر کتب حدیث میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اگرچہ سنن اربعہ میں کچھ روایات اہل الرائے کی فقہ کی مؤید ہیں' مگر ان کی اسنادی حیثیت کمزور ہے۔ اس امر کا احساس ائمہ احناف کو بھی ہے' اسی لیے تو ان کو اپنے مسائل ثابت کرنے کے لیے مراسیل اور منقطع بلکہ موضوع روایات کا سہارا لینا پڑا ہے اور صحیح احادیث کی تاویلیں کرنا پڑی ہیں۔ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں:

"لم یکن عندھم من الاحادیث والاثار ما یقدرون بہ علی استنباط الفقہ علی الاصول التی اختارھا اھل الحدیث"

"اہل الرائے کے پاس احادیث اور اثار کا ذخیرہ نہیں تھا کہ جس پر وہ فقہ کا استنباط ان اصولوں پر کرتے' جن کو اہل حدیث نے پسند کیا ہے۔"

شاہ صاحب کی تحقیق بالکل درست ہے۔ ان کے پاس حدیثی نصوص نہ ہونے کی وجہ سے امام صاحب کو اقرار کرنا پڑا ہے:

"علمنا ھذا رأی وھو احسن ما قدرنا علیہ" (تاریخ بغداد ص:۳۵۲' ج:۳)

"ہمارا یہ علم رائے ہے اور یہ بہت خوب ہے جس پر ہم نے قدرت پائی ہے۔"

اس قلت کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ امام صاحب نے اخذ حدیث کی خاطر ائمہ محدثین کی طرح دور دراز کے سفر نہیں کیے تھے' جس کی بناء پر اس فقہ کی بنیاد احادیث پر نہ ہو سکی۔ شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں:

"كان اكثر امرهم حمل النظير على النظير والراى اصل من الاصول دون تتبع الاحاديث والآثار" (الانصاف:۲۵)

"ان کا اکثر امر یہی تھا کہ یہ ایک نظیر کو دوسری نظیر پر محمول کرتے ہیں اور رائے ہی ان کا اصول ہے۔ احادیث اور آثار کا تتبع اور جستجو نہیں۔"

پھر شاہ صاحب نے اس فقہ کا حدود اربع بتاتے ہوئے فرمایا ہے:

"كان ابو حنيفه الزمهم بمذهب ابراهيم واقرانه لا يجاوزه الا ماشاء الله" (حجۃ اللہ ص:۱۴۶، ج:۱)

"ابوحنیفہ ابراہیم نخعی اور ان کے ہم عصر علماء کے مذہب کو لازم پکڑتے تھے اور اس سے تجاوز نہیں کرتے تھے، مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔"

نخعی کے آثار پر اکتفاء کا یہ نتیجہ نکلا کہ یہ فقہ نصوص حدیثیہ کی کثرت سے محروم رہ گئی اور اس کمی کو پورا کرنے کے لیے قیاس کو کثرت کے ساتھ استعمال کرنا پڑا۔

احناف کی کتب حدیث......

احناف نے روایت حدیث کے نام پر جو کام کیا ہے، ائمہ حدیث میں اس کی مقبولیت نہیں ہو سکی۔ اس لیے کہ ان کتب کے جامعین، محدثین میں سے نہ تھے۔ صحیح اور سقم میں تمیز نہ کر پاتے تھے۔ اس لیے ان کتابوں کو وہ مقبولیت نہ ہو سکی جو کتب صحاح اور مؤطا یا مسند احمد کو حاصل ہوئی۔ شاہ ولی اللہ کتاب الاثار امام محمد اور الامالی امام ابو یوسف کے بارہ میں فرماتے ہیں:

"فهل سمعت احدا من المحدثين والفقهاء تعرض لهما واعتنى بهما" (حجۃ اللہ ص:۱۴۳، ج:۱)

"کیا تو نے سنا ہے کہ محدثین اور فقہاء میں سے کسی ایک نے ان دونوں کتابوں سے تعرض اور اعتناء کیا ہو۔"

شاہ صاحب نے واضح کر دیا کہ یہ دونوں کتابیں نہ محدثین میں مقبولیت حاصل کر سکیں اور نہ عام فقہاء کرام میں۔ تیسری معروف کتاب جسے احناف اپنا ماخذ قرار دیتے ہیں، وہ طحاوی کی کتاب شرح

معانی الاثار ہے۔شاہ صاحب نے طبقات کتب حدیث میں کتب طحاوی کو تیسرے درجہ میں شمار کیا ہے اور اس طبقہ کے بارہ میں فرمایا ہے' اس طبقہ کی کتب میں صحیح' حسن' ضعیف' معروف' غریب' شاذ' منکر' خطا' صواب ثابت اور مقلوب ہر قسم کی روایات موجود ہیں اور پھر کتابوں کے نام گن کر فرماتے ہیں:

"**کان قصدهم جمع ما وجدوه ولا تلخيصه وتهذيبه وتقريبه من العمل**" (حجۃ اللہ' ص:۱۳۵' ج:۱)

"ان مؤلفین کا مقصد ہر طرح کی روایات جمع کرنا تھا' تلخیص' تہذیب اور تقریب بالعمل نہ تھا۔"

مسند ابی حنیفہ ......

مسند خوارزمی جسے مسند امام اعظم کہا جاتا ہے اور اسے امام صاحب کی تالیف مشتہر کیا جاتا ہے' اس کو شاہ صاحب طبقہ رابعہ میں ذکر کرتے ہیں اور پھر اس طبقہ کی کتب کی فنی حیثیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"**واصلح هذه الطبقة ما كان ضعيفا متحملا واسؤها ما كان موضوعا او مقلوبا شديدا لنكارة**" (حجۃ اللہ' ص:۱۳۵' ج:۱)

"اس طبقہ کی بہتر کتاب وہ ہے جس میں ضعیف روایات جو قابل احتمال ہیں اور سب سے بدتر وہ ہے جس میں موضوع' مقلوب' سخت منکر روایات ہوں۔"

شاہ صاحب کی اس تحقیق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جن لوگوں کا خیال ہے کہ فقہ حنفی کی مستدل روایات ضعیف روایات ہیں جو نچلے طبقہ میں پائی جاتی ہیں محض الزام نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اگر قادری صاحب ازراہ انصاف اور اعتدال اس امر کی حقیقت کو جاننا چاہتے ہیں تو صرف نصب الرایہ کا مطالعہ کریں' ان کو معلوم ہو جائے گا کہ احناف کی مستدل روایات صحیح نہیں' بلکہ اکثر ضعیف ہیں۔

اصول حدیث کی تدوین ......

موصوف نے اپنے اس دورہ میں اصول حدیث کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔فرماتے ہیں:

"اصول حدیث میں پہلے مصنف امام شافعی بنے' ورنہ علم اصول حدیث کے پہلے مرتب امام اعظم ابوحنیفہ ہیں۔انہوں نے کثرت کے ساتھ اصول حدیث وضع کیے ہیں اور اس کے ضابطے مقرر کیے

ہیں اور انہی کی بنیاد پر احکامات فقہ کو ترتیب دیا۔'' (ص: ۲۷ ملخصا)

موصوف کی یہ تمام باتیں محل نظر ہیں اور اپنے ثبوت کے لیے حقائق کی محتاج ہیں۔

۱)..... امام اعظم اصول حدیث کے پہلے مرتب ہیں۔ یہ ایک ایسا انکشاف ہے شاید قادری صاحب سے پہلے اس سے کوئی بھی آشنا نہ ہوا ہو۔ اصول حدیث کا آغاز کن علماء کے ہاتھوں ہوا' اس کی ایک پوری تاریخ مرتب ہے۔ جسے قادری صاحب نے ذکر کیا ہے۔ (منہاج' جون ۲۰۰۸۔ص: ۳۲ تا ۳۴)

مگر اس میں امام بلکہ ان کے تلامذہ میں سے بھی کسی کا ذکر نہیں اور یہ اسلامی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ جس کا ذکر تمام مؤرخین اسلام بلکہ غیر مسلم مؤرخین نے بھی کیا ہے اور تمام متفق ہیں کہ حدیث کے امتیاز اور اس کی پرکھ عہد صحابہ میں شروع ہو چکی تھی۔ جبکہ ابو حنیفہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو مقدمہ ''ضعیف اور موضوع روایات''۔

ہمارے علم میں نہیں کہ کسی ایک مؤرخ نے امام صاحب کو اصول حدیث کا اول مرتب قرار دیا ہے۔ اس امر کا سب سے پہلے انکشاف موصوف قادری نے ہی کیا ہے جو تاریخی حقائق کے بالکل منافی ہے۔ موصوف خود معترف ہیں کہ امام اعظم کی اصول حدیث پر کوئی کتاب نہیں۔ (منہاج' مئی۔ص: ۲۷)

۲)..... موصوف کا فرمانا کہ فقہ کی تدوین امام صاحب کے مرتب کردہ اصولوں پر ہوئی ہے۔ سراسر حقائق کے الٹ ہے۔ بلکہ اگر کہا جائے کہ موصوف کو اصول حدیث کا علم نہیں تو یہ بجا ہے۔ ویسے بھی فقہ حنفی کا اصول حدیث سے کوئی زیادہ تعلق نہیں ہے۔ اس فقہ کے مرتبین نے اصول فقہ کے نام پر کچھ اپنے اصول وضع کیے ہیں۔ وہ اصول حدیث سے عموماً مختلف ہیں۔ فقہ حنفی میں اصول حدیث پر باستثنائے چند باتوں کے زیادہ بحث نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر وہ اصول حدیث کو بنیاد بناتے تو یہ فقہ اپنے تدوین و تکمیل کے مراحل طے نہ کر پاتی' بلکہ ناقص اور ادھوری رہ جاتی۔

لفظ علم کا استعمال......

موصوف نے اپنے مذکورہ بالا دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل پیش کی ہے:

''قرون اولیٰ میں جب محدثین لفظ ''العلم'' استعمال کرتے تھے تو اس سے مراد حدیث' اصول

حدیث دونوں ہوتے تھے۔سیوطی نے تبیض الصحیفہ میں امام صاحب کے حوالہ سے لکھا ہوا ہے کہ "ھو اول من دون العلم" ۔پس تدوین علم میں پہلا درجہ امام اعظم کو حاصل ہے۔'' (ص:۲۷)

موصوف کا مذکورہ بالا قول ان کی علم حدیث کی تدوین سے عدم اطلاع پر دلالت کرتا ہے۔اول تو قرون اولیٰ خصوصاً امام صاحب کے دور تک یہ فنی اصطلاحات رائج نہیں ہوئی تھیں۔علم کا اطلاق صرف کتاب وسنت پر ہوتا تھا۔عمر بن عبدالعزیز پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے سرکاری طور پر کتابت حدیث کا اہتمام کیا تو انہوں نے صرف سنن جمع کرنے کا حکم فرمایا۔(جامع بیان العلم۔ص:۱۰۷ اوالحدیث والمحدثون۔ص:۱۷۹)

صحیح بخاری مع فتح،ص:۱۹۴،ج:۱/میں ہے کہ عمر بن عبدالعزی نے ابوبکر بن حزم کی طرف خط لکھا:

''انظر ما کان من حدیث رسول اللہ ﷺ فاکتبه فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء ولا تقبل الا حدیث النبی ﷺ''

''تمہارے پاس جتنی احادیث رسول ہیں،انہیں لکھو مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے فوت ہوجانے کا خدشہ ہے اور(یادرکھو)صرف حدیث رسول قبول کرو۔''

اس شاہی فرمان سے واضح ہے کہ عہد صحابہ اور تابعین کے دور میں علم کا لفظ صرف کتاب وسنت پر بولا جاتا تھا اور کوئی ایک بھی مذکورہ فنی اصطلاحات سے واقف نہیں تھا کہ ان پر علم کا اطلاق کیا جاتا۔سب سے پہلے امام شافعی نے ان اصطلاحات میں بعض پر قلم اٹھایا اور ان کے بعد یہ اصطلاحات ایک فن کی حیثیت اختیار کرگئیں۔حتیٰ کہ ان اصطلاحات پر سب سے پہلی مستقل کتاب امام رامہرمزی متوفی ۳۶۰ھ نے لکھی۔حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

''ان اول من صنف فی ذلك القاضی ابومحمد الرامھرمزی فی کتابه المحدث الفاصل بین الراوی والواعی۔لکنة لم یستوعب'' (شرح نخبۃ الفکر،ص:۳)

''اس فن میں سب سے پہلے کتاب امام ابومحمد رامہرمزی نے لکھی۔مگر انہوں نے بھی اس میں اصطلاحات مکمل تحریر نہیں کیں۔''

یہی حقیقت ہے جو ابن حجر نے بیان کی ہے۔رہی یہ بات کہ اصول حدیث کی تدوین امام

حدیث دونوں ہوتے تھے۔ سیوطی نے تبیض الصحیفہ میں امام صاحب کے حوالہ سے لکھا ہوا ہے کہ "ھو اول من دون العلم"۔ پس تدوین علم میں پہلا درجہ امام اعظم کو حاصل ہے۔'' (ص:۲۷)

موصوف کا مذکورہ بالا قول ان کی علم حدیث کی تدوین سے عدم اطلاع پر دلالت کرتا ہے۔ اول تو قرون اولیٰ خصوصاً امام صاحب کے دور تک یہ فنی اصطلاحات رائج نہیں ہوئی تھیں۔ علم کا اطلاق صرف کتاب وسنت پر ہوتا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے سرکاری طور پر کتابت حدیث کا اہتمام کیا تو انہوں نے صرف سنن جمع کرنے کا حکم فرمایا۔ (جامع بیان العلم۔ص:۷۰ا والحدیث والمحدثون۔ص:۱۷۹)

صحیح بخاری مع فتح، ص:۱۹۴، ج:۱/ میں ہے کہ عمر بن عبدالعزی نے ابوبکر بن حزم کی طرف خط لکھا:

"انظر ما كان من حديث رسول الله ﷺ فاكتبه فانى خفت دروس العلم وذهاب العلماء ولا تقبل الا حديث النبى ﷺ"

''تمہارے پاس جتنی احادیث رسول ہیں، انہیں لکھو مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے فوت ہوجانے کا خدشہ ہے اور (یاد رکھو) صرف حدیث رسول قبول کرو۔''

اس شاہی فرمان سے واضح ہے کہ عہد صحابہ اور تابعین کے دور میں علم کا لفظ صرف کتاب وسنت پر بولا جاتا تھا اور کوئی ایک بھی مذکورہ فنی اصطلاحات سے واقف نہیں تھا کہ ان پر علم کا اطلاق کیا جاتا۔ سب سے پہلے امام شافعی نے ان اصطلاحات میں بعض پر قلم اٹھایا اور ان کے بعد یہ اصطلاحات ایک فن کی حیثیت اختیار کرگئیں۔ حتیٰ کہ ان اصطلاحات پر سب سے پہلی مستقبل کتاب امام رامہرمزی متوفی ۳۶۰ھ نے لکھی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"ان اول من صنف فى ذلك القاضى ابومحمد الرامهرمزى فى كتابه المحدث الفاصل بين الراوى والواعى۔ لكنه لم يستوعب" (شرح نخبۃ الفکر، ص:۳)

''اس فن میں سب سے پہلے کتاب امام ابومحمد رامہرمزی نے لکھی۔ مگر انہوں نے بھی اس میں اصطلاحات مکمل تحریر نہیں کیں۔''

یہی حقیقت ہے جو ابن حجر نے بیان کی ہے۔ رہی یہ بات کہ اصول حدیث کی تدوین امام

عام عبادات سے پھر معاملات سے اور آخر کتاب مواریث پر ختم کی۔ گو موفق کی یہ ساری بات غلط ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ تاہم قادری صاحب پر حیرت ہے کہ موفق علم شریعت سے مراد احکام کی فقہی ترتیب لے رہا ہے۔ جبکہ قادری صاحب اس عبارت کو اصول حدیث کی تدوین کی دلیل بنا رہے ہیں۔ غالباً انہوں نے موفق کی پوری عبارت اس لیے تحریر نہیں کی کہ کہیں بددیانتی ظاہر نہ ہو جائے اور ان کے دعویٰ کی حقیقت آشکار نہ ہو جائے۔ پھر موصوف نے عمداً مذکورہ عبارت موفق کے حوالہ سے بیان نہیں کی بلکہ اس کی نسبت سیوطی کی طرف کی ہے۔ کیونکہ سیوطی اہل سنت میں معروف ہیں جبکہ موفق معتزلی بھی ہے اور رافضی بھی۔ اس لیے یہاں تدلیس سے کام لیا ہے۔

کیا امام صاحب تابعی ہیں......

موصوف لکھتے ہیں: ''ائمہ حدیث اور ائمہ فقہ میں واحد وہ امام ہیں جو تابعین میں سے ہیں اور ان کی اکثر روایات براہِ راست تابعین سے ہیں۔'' (ص:۲۸)

اولاً: امام صاحب کا کسی معتمد اور معتبر روایت سے تابعی ہونا ثابت نہیں۔ اس بارہ میں جتنی روایات پیش کی جاتی ہیں ان میں اکثر تو موضوع اور من گھڑت ہیں باقی ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں۔ جن کی تحقیق ہم نے داستان حنفیہ میں بیان کی ہے۔ پھر امام صاحب کے اس بیان کے بھی منافی ہیں جو انہوں نے فرمایا کہ:

''مارأیت فیمن رأیت افضل من عطاء'' (میزان۔ص:۳۸۰ ج:۱)

''میں نے عطاء سے بہتر کسی شخص کو نہیں دیکھا۔''

اور اس بیان کے بھی خلاف ہیں جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اکابر میں سے کن کن حضرات کو پایا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا قاسم بن ابی بکر سالم طاؤس عکرمہ مکحول عبداللہ بن دینار حسن بصری عمر بن دینار ابوالزبیر عطاء قتادہ ابراہیم نخعی شعبی ابو عمر اور نافع رحمہم اللہ وغیرہم کو پایا ہے۔ (شرح جامع المسانید ص:۹۶)

آپ ان اسماء پر غور کریں ان میں کسی ایک صحابی کا نام نہیں ہے۔ جس سے یہ بداہۃ سامنے آتا ہے کہ امام صاحب نے کسی صحابی سے ملاقات کا اقرار نہیں کیا۔ ان کی ملاقات اگر کسی صحابی سے ہوتی تو

سب سے پہلے اس صحابی کا ذکر کرتے اور یہ تو ممکن نہیں کہ امام صاحب عطاء کو صحابہ کرام سے افضل جانتے تھے۔

امام صاحب کی صحابہ کرام سے روایات ﴾......

موصوف لکھتے ہیں: امام صاحب نے ۱۶/ روایات صحابہ کرام سے روایت کی ہیں جو آپ کی احادیث (ایک واسطے والی) ہیں۔ (ص:۲۸)

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں احناف اس کا بڑے زور و شور سے پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ امام صاحب نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے براہِ راست احادیث اخذ کی ہیں۔ مگر یہ محض پروپیگنڈہ ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس لیے کہ جب ان کی کسی صحابی سے ملاقات ہی نہیں تو پھر ان سے براہِ راست روایت کیسے؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ امام صاحب کو جناب انس رضی اللہ عنہ کی رؤیت تو حاصل ہے، مگر روایت نہیں۔ اگرچہ علی التحقیق رؤیت بھی ثابت نہیں۔ تاہم تمام محققین جن میں بعض احناف بھی ہیں، کا اتفاق ہے کہ امام صاحب نے کسی صحابہ سے براہِ راست کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے۔ ان کی روایت تابعین کا واسطہ ہے اور بعض میں تین راویوں کا واسطہ ہے۔ (مسند امام اعظم۔ص:۲۴۳،۲۴۹، ج:۱)

ان ائمہ نقاد میں سے چند ایک کے ہم یہاں اقوال نقل کرتے ہیں۔ جنہوں نے امام صاحب کی کسی ایک صحابی سے براہِ راست روایت کا انکار کیا ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں:

''ابوحنیفہ کی کسی ایک صحابی سے ملاقات نہیں مگر انہوں نے انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے اور ان سے کوئی حدیث نہیں سنی۔''

حافظ خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

''ابوحنیفہ کا انس سے سماع نہیں ہے۔'' (تبییض الصحیفہ ص:۱۲)

''اور ان کی کسی ایک صحابی سے روایت ثابت نہیں ہے۔'' (شذرات الذہب [illegible])

ملا سخاوی فرماتے ہیں: ''ابوحنیفہ کی کسی ایک صحابی سے روایت نہیں ہے۔'' ([illegible])

معروف مؤرخ قاضی ابن خلقان فرماتے ہیں: ''اہل نقل کے ہاں یہ ثابت نہیں کہ ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے روایت لی ہو۔'' (وفیات الاعیان' ص:۱۶۳)

امام نووی فرماتے ہیں کہ: ''ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے روایت نہیں لی۔'' (تہذیب الاسماء' ص:۲۱۶' ج:۲)

اور یہی بات حنفی محدث ابن طاہر فرماتے ہیں کہ: ''ان کی کسی ایک صحابی سے روایت ثابت نہیں۔'' (تذکرۃ الموضوعات' ص:۱۱۱' ومجمع البحار' ص:۳۰۱' ج:۵)

امام ابواسحاق شیرازی بھی فرماتے ہیں کہ: ''ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے روایت نہیں لی۔'' (طبقات)

اور یہی بات معروف حنفی مؤرخ علامہ شبلی نعمانی نے کہی ہے کہ ''ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی۔'' (سیرۃ نعمان' ص:۳۲)

ان تمام ائمہ محدثین کے اقوال سے واضح ہے کہ امام صاحب نے براہِ راست کسی صحابی سے روایت نہیں کی' اس بارہ میں جتنی روایات پیش کی جائیں' وہ سب من گھڑت ہیں اور کذاب راویوں کی کرشمہ سازی ہے۔

تخریج روایات ﴾......

موصوف نے اپنے اس دعویٰ کہ امام صاحب کی براہِ راست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایات ہیں کو ثابت کرنے کے لیے بڑی محنت کی ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:

''میں نے دو سال تحقیق کی اور احادیث کے تمام دفاتر کو کھنگالا اور ۱۶/ ایسی احادیث کی تلاش کی جو احادیات ہیں۔ جن کو امام اعظم نے براہِ راست صحابہ کرام سے روایت کیا اور ان احادیث کو میں نے مکمل تحقیق وتخریج کے ساتھ شائع کیا۔'' (ص:۲۹)

اپنے دورہ مسلم میں تو انہوں نے ان روایات کی نشاندہی کی۔ البتہ منہاج السوی میں ان سولہ روایات کو انہوں نے شائع کیا ہے۔ ہم ان روایات پر منہاج السوی کے حوالہ سے ہی اجمالی نقد کرتے ہیں۔ تفصیلی تبصرے کا تو یہ مقالہ متحمل نہیں' اس کے لیے ہم ان شاء اللہ الگ کتاب شائع کریں گے۔ موصوف نے یہ سولہ روایات ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیان کی ہیں۔

انس رضی اللہ عنہ سے پانچ' عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے دو' عبداللہ بن جزء رضی اللہ عنہ سے ایک' عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے ایک' عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے دو' عائشہ بنت عجرد سے ایک' واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے تین اور عبداللہ بن ابی حبیبہ سے ایک۔ (المنهاج السوی' ص:۱۰۴۱ تا ۱۰۵۶)

تبصرہ......

جناب انس رضی اللہ عنہ سے پہلی روایت "طلب العلم فريضة على كل مسلم" ہے۔ موصوف نے اس کی تخریج میں خوارزمی کا حوالہ دیا ہے۔

دوسری روایت "الدال على الخير كفاعله" ہے۔ اس کا حوالہ بھی مسند خوارزمی کا دیا ہے۔

تیسری روایت "ان الله يحب اغاثه اللهفان" ہے۔ جو مسند خوارزمی وغیرہ میں ہے۔

ان تینوں روایتوں کا راوی احمد بن الصلت الحمانی ہے جو کذاب اور وضاع تھا۔ جیسا کہ لسان کے حوالہ سے ہم ذکر کر آئے ہیں۔ جس سے واضح ہے کہ یہ تینوں روایتیں اسی کذاب اور وضاع کی وضع کردہ ہیں۔

چوتھی روایت "من تفقه فى دين الله" ہے۔ موصوف نے اس کا تخریج میں اخبار قزوین کا حوالہ دیا ہے۔ راقم الحروف کے پاس یہ کتاب موجود نہیں' جس سے اس کی اسناد کا علم نہیں ہو سکا۔ البتہ یہی روایت ابو نعیم نے بطریق عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ روایت کی ہے۔ جیسا کہ خود موصوف نے اس کی مسند ابی حنیفہ لابی نعیم کے حوالہ سے تخریج کی ہے۔ علاوہ ازیں یہی روایت مسند خوارزمی' ص:۸۰' ج:۱/ اور جوزی العلل میں اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔ یہ روایت رسول اللہ ﷺ سے صحیح نہیں اور حمانی حدیث وضع کرتا ہے۔ (العلل المتناہیہ' ص:۱۲۸' ج:۱)

نوٹ)...... مسند خوارزمی میں سند اسی طرح ہے۔ عن محمد بن احمد بن سماعۃ۔ جو تصحیف ہے یا تحریف ہے۔ صحیح "احمد بن محمد الحمانى حدثنا محمد بن سماعة القاضى" ہے۔ جیسا کہ تاریخ بغداد اور العلل میں ہے۔ غرض یہ بھی روایت اس طریق سے من گھڑت ہے۔

پانچویں روایت "من قال لا اله الا لله" خالصا مخلصا کے الفاظ سے ہے۔

اس روایت کو ابو حنیفہ کے حوالہ سے صرف موفق معتزلی رافضی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند

کے من گھڑت ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اسے انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے صرف موفق نے روایت کیا ہے۔

چھٹی روایت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔"**حبك للشئی یعمی ویصم**" موصوف نے اس کا تخریج میں مسند خوارزمی کا حوالہ دیا ہے۔

ساتویں روایت "**رأیت فی عارضی مکتوبا ثلاثة اسطر**" اور تخریج میں موفق کا حوالہ دیا ہے۔ ان دونوں روایتوں کے من گھڑت ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جناب انیس رضی اللہ عنہ خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ میں ۵۴ھ کو شام میں فوت ہوئے۔ (تقریب) علامہ ابن عابد بن حنفی چھٹی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس کی سند میں کئی مجہول راوی ہیں اور عبداللہ بن انیس ۵۴ھ کو فوت ہوئے تھے۔ (ردالمختار ص:۴۵ ج:۱۔ ومعیار الحق تحقیقی ۳۹)

امام صاحب ۸۰ھ کو پیدا ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنے پیدا ہونے سے چھبیس سال پہلے جناب عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا تھا۔ قادری صاحب کے سلسلہ میں تو ایسا ہونا ممکن ہے۔ اس لیے کہ وہ تصوف کے سلسلہ کے ساتھ منسلک ہیں اور اس سلسلہ میں ہر ناممکن بھی ممکن ہوتا ہے۔ خواہ اہل بصیرت کے ہاں اس کا کچھ وزن بھی نہ ہو۔

آٹھویں اور نویں روایت عبداللہ بن جزء کی طرف منسوب ہے۔ کہ "**من تفقه فی دین الله**" اور نویں "**اغاثة الملهوف فرض علی کل مسلم**" آٹھویں کی تخریج خوارزمی سے کی ہے اور نویں کی تخریج میں موفق کا حوالہ دیا ہے۔ آٹھویں روایت چوتھی روایت کا حصہ ہے جس کا من گھڑت ہونا۔ ہم اس کے ضمن میں ذکر کر آئے ہیں کہ اس کا راوی حمانی کذاب ہے۔ مسند ابی نعیم میں یہ روایت محمد بن عمر بن سلم (الجعابی) کے طریق سے ہے جو مخلط تارک صلوۃ بے دین شراب نوش شخص تھا۔ اس نے صرف امام خلیل کی طرف خود ساختہ اسانید سے ایسی تین احادیث منسوب کی تھیں جن کا کوئی اصل نہیں۔ (لسان ص ۳۲۲ ج ۵۔ تفصیل از خوات ... ملاحظہ کریں)

پھر اس روایت کے من گھڑت ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ اس روایت میں ہے کہ امام

صاحب فرماتے ہیں میں نے ۹۶ھ میں حج کیا تو ان سے یہ حدیث سنی۔ جبکہ جناب عبداللہ بن حارث الزبیدی ۸۶ھ کو فوت ہو گئے تھے تو کیا امام صاحب نے ان سے یہ حدیث ان کی وفات کے دس سال بعد سنی تھی کیا خوب ہے۔

دسویں اور گیارھویں روایت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں۔

دسویں روایت "من بنى لله مسجدا ولو كمفحص قطاة" ہے اور اس کی تخریج مسند خوارزمی سے کی ہے۔ امام صاحب کا ابن ابی اوفی سے سماع ثابت نہیں۔ امام ذہبی فرماتے ہیں ابن ابی اوفی ۸۶ھ کو فوت ہوئے۔ (الکاشف' ص:۶۵' ج:۲)

اس وقت امام صاحب کی عمر بمشکل چھ سال تھی۔ امام خطیب تبریزی فرماتے ہیں' ابوحنیفہ کے ایام میں ابن ابی اوفی موجود تھے۔ لیکن امام صاحب کی ان سے ملاقات نہیں ہے۔ (الاکمال ملحقہ مشکوٰۃ' ص:۶۲۸)

یہی وجہ ہے کہ احناف کو بھی اقرار ہے کہ "ان كل سند فيه انه سمع من صحابى لا يخلو من كذاب" (ردالمختار' ص:۴۴' ج:۱)

ہر سند جس میں یہ ہے کہ ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے سنا ہے وہ سند کذاب راوی سے خالی نہیں ہے۔ بارھویں روایت عائشہ بنت عجرد کی طرف منسوب کی ہے جو صحابیہ نہیں بلکہ تابعیہ ہیں اور باعتبار روایت مجہول ہے۔ (معیار الحق' ص:۴۰)

اس روایت کو امام صاحب کی احادیث میں شامل کرنا موصوف کی رجال کے فن سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔

روایت نمبر۱۳ ہے۔ "لاتظهرن شماتة لا خيك" ہے۔ موصوف نے اس کی تخریج مسند خوارزمی سے کی ہے اور روایت نمبر۱۴ "دع ما يربيك الى مالا يربيك" ہے اور تخریج میں تبییض الصحیفہ کا حوالہ دیا ہے اور روایت نمبر۱۵ "لا يظن احدكم" ہے۔ تخریج موفق کا حوالہ دیا ہے اور یہ تینوں روایات جناب واثلہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں اور تینوں ہی میں ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں۔ سمعت واثلة میں نے واثلہ سے سنا۔ حالانکہ امام صاحب کا جناب واثلہ سے سماع ممکن نہیں۔ اس لیے

کہ جناب واثلہ ۸۵ھ کو شام میں فوت ہوئے تھے۔ (الکاشف وتقریب) اس وقت امام صاحب کی عمر صرف پانچ سال تھی اور یہ ثابت نہیں کہ جناب واثلہ اس دوران عراق تشریف لائے ہوں یا امام صاحب پانچ سال کی عمر میں شام گئے ہوں اور وہاں جناب واثلہ سے ملاقات کی ہو یہی وجہ ہے کہ کسی ناقد محدث یا اخباری نے یہ ذکر نہیں کیا کہ امام صاحب کی واثلہ سے ملاقات ہوئی ہے۔

سولہویں روایت امام صاحب کی بواسطہ عبداللہ بن ابی حبیبہ جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ تخریج میں موصوف نے کتاب الاثار کا حوالہ دیا ہے۔

اولاً: عبداللہ بن ابی حبیبہ کو بعض نے صحابہ میں شامل کیا ہے۔ مگر وہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جس روایت کی بناء پر انہیں صحابی تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ ان کی براہ راست رسول اللہ ﷺ سے صرف وہی ایک روایت ہے جو مسند احمد میں تین مقام پر آئی ہے۔ ایک سند میں ایک مبہم راوی ہے۔ دوسری سند میں انقطاع ہے اور تیسری میں مجہول راوی ہے۔

ثانیاً: حافظ ابن حجر نے لکھا "روی عنه بكير بن عبدالله بن الاشج ومالك" (تعجیل ص:۲۱۲ ج:۱)۔

"ان سے بکیر بن عبداللہ اور امام مالک نے روایت کی ہے۔"

یہ تو معروف ہے کہ امام مالک کی کسی صحابی سے براہ راست کوئی روایت نہیں اور یہی قادری صاحب کی تحقیق ہے۔ (منہاج ص:۲۸)

اسی طرح بکیر بن عبداللہ بن اشج کا بھی کسی صحابی سے سماع نہیں امام حاکم فرماتے ہیں "لم يصح سماعه من الصحابة وقال ان رواياته من التابعين" (علوم الحدیث)۔ "ان کا کسی صحابی سے سماع نہیں۔ ان کی روایات تابعین سے ہیں۔"

امام ابن حبان نے بھی اس کو اتباع تابعین میں شامل کیا ہے۔ جس سے واضح ہے کہ عبداللہ بن ابی حبیبہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کی اس روایت کو احناف نے بھی براہ راست صحابی کی روایات میں شامل نہیں کیا۔ اگر عبداللہ بن ابی حبیبہ کو صحابی تسلیم کر بھی لیا جائے تو ان سے مروی یہ روایت ثابت نہیں۔ اس لیے کہ یہ روایت صرف کتاب الاثار میں ہے۔ بقول عقود الجمان کے مؤلف کے

یہ کتاب امام ابو یوسف کی نہیں۔ چنانچہ علامہ رئیس ندوی لکھتے ہیں بتصریح عقود الجمان یہ مسند امام ابو یوسف کی تصنیف ہونے کے بجائے تخریج بعض المحد ثین ہے۔ یعنی کسی محدث نے امام صاحب کی طرف منسوب شدہ امام ابو یوسف کی روایت کردہ احادیث وآ ثار کو کتابی شکل دے دی ہے۔ ورنہ یہ امام ابو یوسف کی تصنیف نہیں ہے۔ عقود الجمان کو عام احناف بہت معتبر کتاب مانتے ہیں۔ (لمحات ص:۳۰۷ ج ۴)

گویا کہ یہ کتاب بعض مجہول حضرات کی جمع کردہ ہے' جو قابل احتجاج نہیں۔

یہ ہے احادیث ابی حنیفہ کی حقیقت' جن کے جمع کرنے پر قادری صاحب کو دو سال محنت شاقہ سے گزرنا پڑا' مگر وہ امام صاحب کے طریق کوئی ایک حدیث ثابت نہیں کر سکے' جو محنت شاقہ سے جمع کی ہیں۔ وہ سب کی سب مکذوبہ اور من گھڑت ہیں۔ اگر چہ ان میں بعض دیگر راویوں کی اسناد سے یہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں' مگر ان میں امام صاحب کی کسی ایک روایت کا دخل نہیں۔ الغرض جن ائمہ کی یہ تحقیق ہے کہ امام صاحب کی براہِ راست کسی صحابی سے کوئی حدیث مروی نہیں' ان کی تحقیق بالکل درست اور قابل داد ہے۔ اس بارہ میں جتنی روایات بطریق ابی حنیفہ پیش کی جاتی ہیں' وہ سب مکذوبہ ہیں۔ جیسا کہ ہم ردالمحتار کے حوالہ سے ذکر کر آئے ہیں کہ ہر وہ سند جس میں بھی یہ ہے کہ ابو حنیفہ نے کسی ایک صحابی سے سنا ہے وہ کذاب راوی سے خالی نہیں ہے۔

امام مالک کی تابعین سے روایات ......

قادری صاحب امام ابو حنیفہ کی سلسلہ روایت میں امام مالک پر برتری یوں ثابت کرتے ہیں:

''امام ابو حنیفہ کی براہِ راست صحابہ اور تابعین سے بکثرت روایات موجود ہیں۔ امام مالک کے پاس تابعی سے روایت کردہ احادیث صرف دو یا تین ہیں۔'' (منہاج' ص:۲۸' ۳۰)

موصوف یوں تو صحیح مسلم کا دورہ کروا رہے ہیں جو حدیث میں اعلیٰ طبقہ کی کتاب ہے' مگر علم حدیث کے بارہ میں ان کے انکشافات انوکھے اور حیرت انگیز ہیں۔ جو ایک مبتدی کی علمی سطح سے بالا نہیں ہیں۔ صحیح مسلم کے دورہ کا مطلب ہے کہ صحیح مسلم کے بارہ میں معلومات فراہم کی جائیں۔ مگر موصوف کا دورہ اس لحاظ سے بڑا انوکھا ہے کہ ساری گفتگو فقہ حنفی کے بارے میں فرما رہے ہیں۔ صحیح مسلم سے جس کا

کوئی تعلق نہیں' بلکہ مقصد یوں سامنے آ رہا ہے کہ فقہاء احناف کی اکابر محدثین پر برتری ثابت کرنا ہے۔

موصوف کا یہ کہنا کہ امام مالک سے ثنائی روایات صرف دو یا تین ہیں' یا تو اعلیٰ درجہ کا جھوٹ اور کتمان حق ہے یا پھر امام مالک کے بارہ میں معلومات نہ ہونے کی بناء پر انہوں نے ایسا فرمایا ہے۔ مگر حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس لیے کہ امام مالک کے شیوخ کی تعداد دو صد کے برابر ہے۔ جن میں امام زہری ہیں۔ جن سے امام مالک نے موطا میں ۱۳۲/ احادیث روایت کی ہیں۔ (مقدمہ موطا امام قعنبی' ص:۷)

ابن عبدالبر فرماتے ہیں ان میں ۹۲ متصل مسند ہیں اور باقی منقطع مرسل ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ سے پانچ مسند ہیں۔ (التمہید' ص:۱۱۴' ج:۱)

یہ تو صرف انس رضی اللہ عنہ کے طریق سے ہیں۔ جن میں امام مالک اور انس رضی اللہ عنہ کے درمیان صرف امام زہری کا واسطہ ہے۔ جن دیگر صحابہ سے امام زہری نے براہِ راست احادیث روایت کی ہیں' وہ ان کے علاوہ ہیں۔

امام مالک کے دوسرے شیخ نافع ہیں۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں امام مالک نے ان سے موطا میں رسول اللہ ﷺ کی ۱۸۰/ احادیث روایت کی ہیں۔ (التمہید' ص:۲۳۹' ج:۱۳)

جن میں بہت سی احادیث ہیں جو نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے براہِ راست روایت کی ہیں۔ جن میں امام مالک اور ابن عمر کے درمیان صرف نافع کا واسطہ ہے۔

تیسرے عبداللہ بن دینار ہیں۔ امام مالک نے ان سے براہِ راست ۲۶ مرفوع احادیث لی ہیں۔ (التمہید' ص:۲۳۱' ج:۱۶)

اگر اسی طرح امام مالک کے وہ تمام شیوخ جنہوں نے براہِ راست صحابہ کرام سے احادیث روایت کی ہیں اور ان میں کوئی دوسرا واسطہ نہیں ہے' وہ سو سے زائد ہی ہوں گی۔ صرف موطا قعنبی جو مختصر کتاب ہے' میں ایسی احادیث کی تعداد بتیس (۳۲) ہے۔ موطا یحییٰ بن یحییٰ اور موطا محمد میں ایسی احادیث کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ بڑھ سکتی ہے۔ رہی کتب ستہ اور دیگر کتب جیسا کہ مسند احمد اور مسند شافعی ہے' اگر ان تمام میں امام مالک کی ثنائی روایات کو جمع کیا جائے تو تعداد اس سے بھی کئی گنا بڑھ جائے گی۔ جس کا

انکار ایک صریح حقیقت کا انکار ہے۔ اگر موصوف صحیح مسلم سے ہی امام مالک کی روایات کی مجتمع کر لیتے تو شاید ایسی بات تحریر نہ کرتے۔

امام صاحب کی سند کا حکم ......

موصوف لکھتے ہیں ائمہ حدیث کی پوری تاریخ میں صرف امام ابوحنیفہ واحد شخص ہیں' ان کی سند کو پرکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ جس دور میں وضع حدیث کا فتنہ پیدا ہوا تو یہ تابعین کے دور کے بعد کی بات ہے۔ (ص ۳۰ ملخصا)

مزید فرماتے ہیں' اگر کوئی حدیث تابعین تک ثابت ہوگئی اور نیچے سند میں کوئی خرابی نہ تھی تو اس حدیث کو بھی صحیح حدیث کے درجہ میں شمار کیا جاتا۔ سند میں نچلی سطح پر خرابی اوروں کے لیے تو امکان ہو سکتا ہے' مگر امام اعظم کے باب میں نیچے کی سند ہے ہی نہیں۔ (ص: ۲۹)

موصوف کی یہ تمام باتیں ھباء منثوراً سے زیادہ وزن نہیں رکھتیں۔ جو حقیقت کے بالکل منافی ہیں' بلکہ شاہد عدل ہیں کہ موصوف علم حدیث کے ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں یا پھر موصوف کا یہ دعویٰ محض فریب ہے' جس کا قائل ان سے پہلے کوئی نہیں ہوا۔ گویا کہ یہ ان کی علم حدیث میں نئی ایجاد ہے جو حیرت انگیز ہونے کے ساتھ مضحکہ خیز بھی ہے۔

اولاً: معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو یہ بھی علم نہیں کہ وضع حدیث کا آغاز کب ہوا۔

ثانیاً: حدیث کی عدم قبولیت کے لیے راوی کا صرف کذاب ہونا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے دیگر وجوہ اور اسباب بھی ہیں۔

یوں تو موصوف صحیح مسلم کے دورہ کے نام پر اس قسم کی حیرت انگیزیاں بکھیر رہے ہیں' جن سے موصوف کا اس مبارک علم میں قدو کاٹھ نمایاں ہو رہا ہے' مگر معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے صحیح کے مقدمہ پر عمل نہیں کیا۔ امام مسلم نے بعض ان رواۃ کا نام لے کر ذکر کیا ہے جن کی روایت قابل قبول نہیں۔ جن میں یحییٰ بن ابی انیسہ' جراح بن منہال' عباد بن کثیر' حارث الاعور' مغیرہ بن سعد' ابوعبدالرحیم' جابر جعفی' ابوداؤد الاعمیٰ' عمرو بن عبید اور دیگر بہت سے راوی ہیں جو تابعی تھے' جن میں بعض کذاب اور بعض متروک ہیں اور ان میں بعض امام صاحب کے استاذ بھی ہیں۔ جیسا کہ جراح بن منہال' جابر جعفی اور عمرو بن عبید ہیں۔ یہ تینوں ہی کذاب تھے' مگر امام صاحب نے اس سے روایات لی ہیں۔ اگر موصوف صرف میزان الاعتدال اور المغنی للذہبی کا مطالعہ فرمالیں تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ تابعین خصوصاً امام صاحب کے اساتذہ میں بھی ایسے متعدد راوی ہیں جو بلاشبہ متروک' کذاب' بلکہ وضاع ہیں۔ لہٰذا موصوف کا یہ کہنا کہ امام صاحب

کی سند کو پرکھ کرنے کی ضرورت نہیں' بالکل غلط اور حقائق کے منافی ہے۔ اس لیے کہ جن حضرات نے امام صاحب کی روایات کی پرکھ کی ہے' انہوں نے معاملہ کو موصوف کے موقف کے برعکس پایا ہے۔ تفصیل کے لیے کتاب المجروحین' ج:۳ ملاحظہ فرمائیں۔

امام صاحب کے تلامذہ......

موصوف کا یہ فرمانا کہ امام صاحب کے باب میں نیچے سند ہے نہیں۔ صریحاً تاریخ حدیث سے نادانی کا ثبوت ہے۔ یہ تو تب ممکن تھا جب امام صاحب کی کوئی ذاتی تصنیف ہوتی۔ حالانکہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ امام صاحب کی خصوصاً حدیث میں کوئی ذاتی تصنیف نہیں ہے۔ اگر ان کی ذاتی تصنیف ہوتی تو مسند خوارزمی لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ کتاب الاثار ابی یوسف کے محقق علامہ ابوالوفا حنفی لکھتے ہیں:

"لم يصنف الامام الاعظم كتابا في الاخبار والاثار" (کتاب الاثار مقدمہ۔ ص:۳)

"امام اعظم ابوحنیفہ نے حدیث اور آثار میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔"

امام صاحب سے جو روایات مروی ہیں' ظاہر ہے وہ ان سے ان کے تلامذہ نے روایت کی ہیں۔

اولاً تو امام صاحب کو اپنی روایات پر خود اعتماد نہیں تھا۔ جیسا کہ قاضی ابو یوسف سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

"لا تروعني شيئا فاني والله ما ادري امخطي انا ام مصيب" (کتاب السنہ لعبداللہ بن احمد بن حنبل' ص:۲۲۶' ج:۱/ وتاریخ بغداد' ص:۴۲۴' ج:۱۳)

"مجھ سے کچھ روایت نہ کیا کرو' مجھے علم نہیں کہ میں خطا پر ہوں یا صواب (درستی) پر ہوں۔"

اور فرماتے ہیں: "عامة ما احدثكم به خطا" (تاریخ بغداد' ص:۴۲۵' ج:۱۳)

"میں تم سے جو بیان کرتا ہوں وہ عموماً خطا ہوتا ہے۔"

پھر آپ کے تلامذہ میں سب سے مقدم قاضی ابو یوسف کو سمجھا جاتا ہے۔ ان کے بارہ میں امام صاحب فرماتے ہیں:

"الا تعجبون من يعقوب يقول علي مالا اقول" (تاریخ صغیر' ص:۲۲۰' والکامل ابن عدی)

"تم یعقوب (ابو یوسف) سے تعجب نہیں کرتے ہوئے یہ مجھ پر وہ کہتا ہے جو میں نہیں کہتا۔"

دوسرے اہم شاگرد محمد بن حسن ہیں۔ نقاد محدثین بلکہ خود قاضی ابو یوسف نے بھی ان کو کذاب کہا ہے۔ (تاریخ بغداد' کتاب المجروحین والکامل وغیرہ)

تیسرے حسن بن زیاد لولوی ہیں۔ وہ بھی محدثین کے نزدیک کذاب ہیں۔ (لسان' ص:۲۰۸' ج:۲)

چوتھے ابو مطیع ہیں جو حدیث وضع کرتا تھا۔ (میزان ولسان)

اسی طرح خالد بلخی، حبان بن علی، حماد بن ابی حنیفہ اور مندل بن علی وغیرہ ہیں جو تمام روایت حدیث میں ضعیف تھے۔ تفصیل کے لیے داستان حنفیہ ملاحظہ کریں۔ الغرض موصوف کا یہ کہنا کہ امام صاحب کے نیچے سند نہیں قطعاً غلط ہے۔ نیچے سند موجود ہے، لیکن یہ اتفاق ہی سمجھیے کہ ان سے ثقہ راوی روایت کرنے والے کم ہیں اور ضعیف وکذاب راوی زیادہ ہیں۔

وضع حدیث کی ابتداء ......

موصوف نے یہ بھی انکشاف فرمایا ہے کہ وضع حدیث کا فتنہ تابعین کے دور کے بعد کا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں جس دور میں یہ غلط کاری کا فتنہ وضع حدیث کا آغاز ہوا، یہ تابعین کے دور کے بعد کی بات ہے۔ نیز فرماتے ہیں امام اعظم جس زمانے میں ہوئے، اس زمانے میں فتنہ وضع حدیث پیدا نہ ہوا تھا۔

تیسرے مقام پر فرماتے ہیں: امام اعظم اس دور میں پیدا ہوئے جب یہ فتنہ نہیں پھیلا تھا۔ (ص:۳۰،۳۱)

معلوم ہوتا ہے کہ موصوف فتنہ وضع حدیث کی تاریخ سے ناواقف ہیں یا پھر عمداً ایک تاریخی حقیقت کا انکار کر رہے ہیں۔ یہ حدیث کے کسی طالب علم سے مخفی نہیں کہ وضع کا آغاز شہادت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ہو چکا تھا۔ سبائی ٹولہ وضع کا مرتکب ہے، وہ سیاسی مقاصد کے تحت فضائل علی کے باب میں حدیثیں وضع کرتے تھے۔

بلاشبہ یہ فتنہ تابعین کے دور میں عروج پکڑ چکا تھا۔ جیسا کہ موصوف کی خود تحریر سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ امام ابن سیرین کا قول نقل کرتے ہیں کہ جب وضع حدیث کا فتنہ پیدا ہوا تو ہم ان سے کہتے کہ اپنے رجال (سند) بیان کرو۔ پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں سند کے متعلق تحقیق کرنے کا آغاز فتنہ وضع حدیث کے بعد ہوا۔ (ص:۳۱)

اس سے ظاہر ہے ابن سیرین کے دور میں ایسے لوگ موجود تھے جو وضع حدیث کا ارتکاب کرتے تھے۔ امام ابن سیرین ۱۱۰ھ کو فوت ہوئے تھے۔ (تقریب) امام ابن سیرین کا دور امام ابوحنیفہ کے دور سے کچھ پہلے کا ہے، جب ابن سیرین فوت ہوئے تھے۔ امام صاحب ابھی زیرِ تعلیم تھے۔ کیونکہ امام صاحب بقول احناف ۱۲۱ھ کو مسند افتاء پر فیضیاب ہوئے تھے۔ (تاریخ الفقہ از صارم)

امام حماد بن سلمہ فرماتے ہیں: ''مجھے رافضیوں کے ایک شیخ نے بتایا کہ ''کانوا یجتمعون علی وضع الحدیث'' (ضعیف اور موضوع روایات، طبع ثانی، ص:۳۶) ''وہ حدیث وضع کرنے پر جمع ہوتے تھے۔''

ان کے اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ امام صاحب کے دور میں وضع حدیث کا دھندہ اپنے عروج پر تھا۔ اسماء الرجال کتب کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ امام صاحب کے شیوخ، معاصر

اور اقران میں بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جن کو محدثین نے کذاب کہا ہے اور وہ فی الحقیقت وضع حدیث کے مرتکب تھے۔ جن میں چند ایک یہ ہیں۔ ابو عبدالرحیم' مغیرہ بن سعید' ابو داؤد نخعی' محمد بن سعید المصلوب' وہب بن وہب' محمد بن السائب الکلبی' اسحاق الملطی' غیاث بن ابراہیم النخعی' ابوصالح باذام' ابان بن عیاش' جابر بن یزید الجعفی' ابوالعطوف الجراح بن منہال' نصر بن طریف' عطاء بن عجلان بصری' عمرو بن عبید' محمد بن زبیر وغیرہم ہیں۔ ان میں اکثر امام صاحب کے شیوخ ہیں۔ یہ تمام حضرات محدثین کی تحقیق میں کذاب تھے۔ ان میں بعض تو وہ ہیں جنہوں نے وضع کا خود اقرار کیا ہے اور جابر جعفی کے بارہ میں امام صاحب نے خود فرمایا کہ:

"ما رأیت اکذب من جابر الجعفی ما اتیته بشیء الا جاء نی فیه بحدیث"

(میزان' ص: ۳۸۰' ج: ۱)

"میں نے جابر جعفی سے کوئی بڑا کذاب نہیں دیکھا۔ میں اس کے پاس کوئی شے نہیں لے کر آیا' مگر اس نے مجھے اس بارہ میں حدیث بیان کر دی۔"

امام صاحب کے اس بیان کے بعد تو قادری صاحب پر واضح ہو جانا چاہیے کہ میرا یہ مفروضہ کہ وضع حدیث کا فتنہ امام صاحب کے بعد پیدا ہوا ہے' نصوص اور دلائل کے لحاظ سے غلط ہے۔

رجما بالغیب ......

موصوف لکھتے ہیں "امام اعظم نے جو جو احادیث روایت کیں اور احکام فقہ مرتب فرمائے' اس میں تحقیق کر لی اور کہیں کہیں حسب ضرورت ان احکامات کی بنیاد ان اصولوں پر رکھ دی۔ مثلاً رفع الیدین اور ترک رفع الیدین کی احادیث ہمیں کتب حدیث میں ملتی ہیں کہ ابتداء وافتتاح نماز کے علاوہ رفع الیدین حضور ﷺ سے بھی ثابت ہے اور نہ کرنا بھی ثابت ہے۔ امام اعظم نے ترک رفع الیدین کی احادیث لیں اور رفع الیدین کی احادیث چھوڑ دیں تو یہ اصول حدیث کی بنیاد پر کیا۔ اس لیے کہ انہوں نے اصول وضع کیے تھے' کہ کون سی احادیث ناسخ ہیں اور کون سی احادیث منسوخ۔" (منہاج' ص: ۳۶)

ویسے تو موصوف کا دورہ ہی عجوبات کی قسم سے ہے' مگر یہاں تو موصوف نے تاریخ سازی میں کمال ہی کر دیا ہے کہ امام صاحب نے ترک رفع الیدین کی احادیث لیں اور رفع الیدین کی احادیث چھوڑ دیں تو یہ انہوں نے ایسے کیوں کیا تو اس کا جواب یہ مرحمت فرمایا کہ انہوں نے یہ اصول حدیث کی بنیاد پر کیا۔ اس لیے کہ انہوں نے اصول وضع کیے تھے کہ کون سی حدیث ناسخ ہے اور کون سی احادیث منسوخ۔ (ص: ۳۲)

اولاً تو محدثین کرام کے ہاں رفع الیدین کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ ناسخ منسوخ سے نہیں ہے۔

سب سے پہلے رفع الیدین کے نسخ کا دعویٰ طحاوی نے کیا ہے۔ حالانکہ ان کے کا یہ دعویٰ بالکل اصول کے خلاف تھا۔ اس لیے کہ رفع الیدین کرنے کی احادیث مرفوع متواتر ہیں اور جس روایت کی وجہ سے ان متواتر احادیث کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے' وہ ابن عمر کا عمل ہے۔ جو سنداً ضعیف ہونے کی وجہ سے ان سے ثابت ہی نہیں۔ اس لیے کہ اس کی سند میں ایک مختلط راوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن معین نے اس روایت کو وہم قرار دیا ہے۔ جس کا کوئی اصل نہیں۔

اولاً: تو موقوف مرفوع کی ناسخ نہیں ہوسکتی۔

ثانیاً: ضعیف السند متواتر کی ناسخ نہیں ہوسکتی۔

ثالثاً: امام صاحب ناسخ منسوخ کے کوئی اصول وضع نہیں کیے۔ یہ موصوف کی اس باب میں لاعلمی کا نتیجہ ہے۔

حالانکہ کسی ایک فقیہ یا محدث نے ایسا دعویٰ نہیں کیا کہ امام صاحب نے اثبات رفع الیدین کو منسوخ ہونے کی وجہ سے ترک کیا ہے۔ موصوف اس دعویٰ میں اپنا کوئی سلف نہیں رکھتے۔ لہٰذا موصوف کا یہ فرمانا کہ امام صاحب نے اثبات رفع الیدین کی احادیث کو منسوخ ہونے کی وجہ سے ترک کیا ہے' محض غلط ہے۔ ترک کی موصوف کو کوئی اور وجہ تلاش کرنی چاہیے۔

بقیہ: شیخ الحدیث ابوانس مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ

اگلے روز صبح دس بجے ان کی نماز جنازہ ساہووالا میں حافظ عبدالغفار روپڑی نے پڑھائی۔ اس میں دور دراز سے کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ پھر ان کی میت ان کے آبائی گاؤں گوندلانوالہ ضلع گوجرانوالہ لائی گئی اور دو بجے دوپہر مولانا حافظ عبدالمنان نورپوری حفظہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس موقع پر علمائے کرام اور عوام کا ایک جم غفیر تھا جو ان کے لیے دعائے مغفرت کر رہا تھا۔

گوندلانوالہ میں پیدا ہونے والے اس عظیم المرتبت عالم دین کو اسی دھرتی نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مولانا یحییٰ صاحب کی خدمات وحسنات کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرما کر انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ یارب العالمین۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆